مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

الاستفتاء (روح کے متعلق)

غلام رسول زاہد قبولہ ضلع ساہیوال سے لکھتے ہیں :

مکرمی جناب کیلانی صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تعریفِ خدا اور توصیفِ خاتم المرسلین !

امّا بعد : بندہ گورنمنٹ کالج لاہور میں سالِ دوم کا طالبِ علم ہے ۔ ماہنامہ "ترجمان الحدیث" میں آپ کے مضامین پڑھنے کے بعد دل طور پر آپ کے قلمی جہاد اور آپ کی علمی استعداد کا معترف ہوگیا ہوں ۔ خدا آپ کو ملّتِ اسلامیہ کی بھرپور خدمت کی توفیق عطا فرمائے : آمین ۔

گزشتہ شماروں میں موجودہ شماروں تک ، حالاً ، آپؐ کا بصیرت افروز سلسلہ وار مضمون نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود شائع ہو رہا ہے ۔ جس سے آپ کی علمی لیاقت اور گہرے مطالعہ کا پتہ چلتا ہے ۔

اس سلسلے میں چند سوالات ذہن میں ابھر رہے ہیں ، اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنے مخصوص انداز سے ان کا حل بیان فرمائیں گے ۔ میں اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں گا ۔ مزید یہ میرے علم میں اضافہ کا موجب ہوگا ۔ میں براہِ راست جواب کے لیے ممنون ہوں گا :

(۱) قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ روح خدا کے حکم "سے" ہے ۔ کیا "روح خدا کا حکم ہے" اور "روح خدا کے حکم سے ہے" میں بیّن فرق نہیں ؟

{ یہ سوال اس لیے کر رہا ہوں کہ بعض کتب میں "روح خدا کا حکم ہے" درج ہے ۔ جیسے کیمیائے سعادت ـــ امام غزالیؒ } اگر ان میں فرق ہے تو کیا ! اور اگر نہیں تو کیسے ؟

(۲) چونکہ استفسار کرنے والے یہودی تھے ۔ اس لیے اگر ہم اس خطاب کو انہی کی طرف تصور کریں کہ "تمھیں اس کے بارے میں بہت قلیل علم دیا گیا ہے" تو مسلمانوں کی بابت کیا سمجھا جائے ؟

(۳) علماء روح کو دو درجوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ جیسے کہ غزالی نے انھیں روحِ حیوانی اور

رُوحِ انسانی کا نام دیا ہے اور علی ہجویری نے نفسِ زیریں اور نفسِ بالا کا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں کون سی روح کی طرف اشارہ ہے۔ اور کیوں؟

(۴) کیا ہندوؤں کا نظریۂ آواگون اور مشہور شیعہ فرقہ طیّارہ کا نظریۂ رُوح باہمی مطابقت سے مستثنیٰ ہیں؟

(۵) مسلمان فلاسفہ جیسے ابنِ رُشد نے بھی روحِ کُلّی کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ ہر روح جسم سے جُدا ہونے کے بعد رُوحِ کُلّی میں چلی جاتی ہے۔ کیا اس نظریہ اور ہندوؤں کے نظریۂ تناسخ کا سرچشمہ ایک ہی نہیں؟

(۶) غنیۃ الطالبین میں حدیث مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نیک روح بدن سے یوں آسانی سے نکلتی ہے۔ جیسے برتن سے پانی ٹپکتا ہے۔ جبکہ بُری رُوح تمام بدن میں پھیل جاتی ہے اور اس شدت سے کھینچی جاتی ہے کہ تمام جسم درد سے بلبلا اٹھتا ہے۔ (در بابِ آخرت)۔ یہ مفہومِ حدیث ہے الفاظ نہیں۔ کیا آپ اس عقیدہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں؟

(۷) روح اور بدروح میں فرق واضح کریں؟ شکریہ :

جوابات

۱۔ "روح خدا کے حکم سے ہے" یا "رُوح خدا کا حکم ہے" میں الفاظ کا فرق تو ضرور ہے۔ مگر نتیجۃً مفہوم دونوں کا ایک ہی نکلتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ "دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے۔ اور حکم بھی اسی کا چلے گا"

(الاعراف: ۵۴)

اس آیت میں "اَلْخَلْقُ" سے مراد تمام مخلوق اور "اَلْاَمْرُ" سے مراد تمام قسم کے احکام ہیں۔ ان تمام احکام میں سے ایک حکم روح بھی ہے۔ اب اگر "اَلْاَمْرُ" کو ایک اکائی تصور کیا جائے تو رُوح اس کا جزو ہُوا جیسے کہ ارشادِ باری ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (۱۷/۸۵) "روح اللہ کے حکم سے ہے"

اور اگر "اَلْاَمْرُ" سے تمام احکام مراد لیے جائیں تو روح بھی ایک مستقل حکم ہُوا۔ لہٰذا اگر

کوئی صاحب اُسے "رُوح خدا کا حکم ہے" سے تعبیر کریں تو ہمارے خیال میں مفہوم میں کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

۲۔ استفسار کرنے والے یہودی نہیں بلکہ مشرکین مکہ تھے۔ جنہوں نے یہودیوں ہی کے کہنے پر حضور اکرمؐ سے چند سوالات پوچھے۔ انہی میں سے ایک سوال رُوح کے متعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رُوح سے متعلق سوال کے جواب میں جو یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ "تمھیں رُوح کے متعلق بہت کم علم دیا گیا ہے"۔ تو یہ خطاب نہ یہود سے مختص ہے نہ مشرکینِ مکہ سے بلکہ اُس کے مخاطب تمام بنی نوعِ انسان ہیں۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر، عالم ہوں یا جاہل، نبی ہوں یا ولی۔ کیونکہ انسان میں جتنی علمی استعداد ودیعت کی گئی ہے، وہ رُوح کی کُنہ کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہے۔

۳۔ رُوح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رُوحِ حیوانی جس کا تعلق گردشِ خون سے ہے۔ جب تک گردشِ خون برقرار ہے یہ رُوح بھی موجود ہوگی۔ گردش رُک جائے تو رُوح ختم ہو جاتی یا نکل جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر جب تک یہ رُوح موجود ہو گردشِ خون برقرار رہتی ہے۔ اگر یہ رُوح نکل جائے تو گردشِ خون ختم ہو جاتی ہے۔

دُوسری قسم رُوحِ نفسانی ہے جسے روحِ انسانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ رُوح کی یہ قسم وہ ہے جو دورانِ خواب سیر کرتی پھرتی ہے۔ رُوح کی یہ قسم یا رُوح کا یہ حصّہ جب انسان کے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو انسان کے حواسِ خمسہ کی کارکردگی میں نمایاں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ نیند کے دوران قوّتِ باصرہ، لامسہ اور ذائقہ کی کارکردگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر غل غپاڑہ ہو یا کوئی دُوسرا آدمی سوتے ہوئے دشمن کو آواز دے کر جگا دے تو یہ رُوحِ نفسانی دوبارہ جسم میں لَوٹ آتی ہے۔ اِسی طرح تیز قسم کی خوشبو یا بدبو بھی بسا اوقات انسان کے جاگنے کا سبب بن جاتی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اِن دونوں قسم کی رُوحوں کا آپس میں نہایت گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ہی اکائی کے دو جُز ہیں۔ رُوحِ نفسانی اگر خواب میں کسی بات یا کسی چیز سے لُطف اندوز ہوتی ہے تو انسان جب جاگتا ہے، ہشاش بشاش نظر آتا ہے۔ اور اگر رُوحِ نفسانی کو خواب میں کوئی ناگوار حادثہ پیش آ جائے تو بعض دفعہ انسان سوتے میں ہی چیخنے چلانے لگتا ہے اور جاگتا ہے تو سخت اندوہناک ہوتا ہے۔ اور اگر خواب میں کہیں مار پڑے تو حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مار پٹائی کے اثرات اور نشانات بھی بعض دفعہ انسان کے جسم پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ جنھیں انسان جاگنے کے بعد خود مشاہدہ کر سکتا ہے۔

اِن ہر دو اقسام کی روحوں کے باہمی تعلق کے بارے میں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھنی چاہیے کہ ایک قسم کی

رُوح کے خاتمہ سے دُوسری خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال یُوں سمجھئے کہ ایک شخص سویا ہُوا کوئی خواب دیکھ رہا ہے کسی دوسرے شخص نے اُسے سوتے میں قتل کر دیا۔ تو رُوحِ نفسانی خواہ کہیں بھی سیر کرتی ہوگی۔ یہ اب دوبارہ اس جسم میں داخل نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر دورانِ خواب اگر رُوح نفسانی کو اللہ تعالیٰ قبض کر لیں تو رُوحِ حیوانی کی کارگزاری یعنی دورانِ خون خود بخود ختم ہو جائے گا اور انسان پر موت واقع ہو جائے گی۔ ارشادِ باری ہے:

"اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی"
(الزمر: ۴۲)

"اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت اُن کی رُوحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں اُن کی رُوحیں سوتے میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک مقررہ وقت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔"

آیت مذکورہ سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ یہ آیت اس بات پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ رُوح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو ہر دم انسان کے بدن میں موجود رہتی ہے اور دوسری وہ جو خواب میں جسم سے علیٰحدہ ہو جاتی ہے۔

۲۔ جاگتے میں یہ دونوں قسم کی روحیں یا رُوح کے ہر دو جز انسان میں موجود رہتے ہیں۔

۳۔ رُوح کو قبض کرنا یا موت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے۔ اگر وہ خواب کے دوران رُوحِ نفسانی کو قبض کرے تو بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۴۔ بیداری کی حالت پوری زندگی اور خواب کی حالت نیم زندگی کی کیفیت ہے جس میں کچھ صفات زندگی کی پائی جاتی ہیں اور کچھ موت کی۔ گویا یہ کیفیت موت وحیات کے درمیان برزخی حالت کی مظہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ دنیا اور آخرت کی زندگی کے درمیان قبر کی زندگی برزخی زندگی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے، قبر کی زندگی میں موت کے اثرات غالب ہوتے ہیں۔ اور خواب کی زندگی میں زندگی کے۔ خواب کے دوران چونکہ کچھ خصوصیات موت کی بھی پائی جاتی ہیں اسی لیے حضورِ اکرمؐ نے اسے موت سے تشبیہ دی ہے۔

۵۔ تناسخ یا آواگون کا نظریہ خالص ہندوانہ فلسفہ ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض متصوفین یا مسلمانوں کے بعض فرقے جو اس عقیدہ کو درست سمجھتے ہیں۔ اور قرآنی آیات سے

اُسے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ باطنیت اور رہبانیت نے جن اسلامی عقائد و نظریات پر یلغار کر کے اُن کا حلیہ بگاڑا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

احادیث صحیحہ میں ایک واقعہ مذکور ہے جسے امام بخاریؒ بھی قرآن کی آیت:

"وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ" "اور اے اللہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا"

کے تحت کتاب التفسیر میں لائے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیمؑ کو رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔ تو حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ "یا اللہ! تیرا وعدہ ہے، تُو قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اور میری اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ اس طرح رسوا ہو رہا ہے" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "اپنے پاؤں کے نیچے دیکھئے"! اتنی دیر میں آپؑ کے باپ (آذر یا تارخ) کی شکل تبدیل کر دی جائے گی۔ آپؑ دیکھیں گے تو آپ کو نجاست میں لتھڑا ہوا ایک بجّو نظر آئے گا۔ جسے فرشتے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ تاکہ کوئی شخص یہ معلوم نہ کر سکے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ ہے۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ کو رسوائی سے بچا لیا جائے گا۔ اور اُن کے باپ کو بھی اس کے گناہوں کی فرار واقعی سزا مل جائے گی۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ قیامت کے روز ارواح کو جو اجسام عطا کیے جائیں گے وہ وہی مانوس انسانی بدن ہوں گے، جنھیں دوسرے لوگ پہچانتے ہوں گے۔

۲۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کے باپ کو بجّو کا جسم دیا گیا تو یہ محض ایک استثنائی صورت ہے۔ جس کے لیے ایک ٹھوس بنیاد ہے۔

۳۔ اللہ کا قانون جزا و سزا اتنا مستحکم اور ہمہ گیر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبر اپنے باپ کو بھی عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکیں گے تو کسی دوسرے پیر فقیر یا نبی ولی کی کیا مجال ہے کہ وہ قیامت کے روز کسی کی نجات کا دم بھرے۔

اِسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا ایک یہ منظر پیش کیا ہے:

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۝ "اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ

يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ۝ أَإِذَا (دنیا میں) میرا ایک ساتھی تھا (جو) کہتا تھا

مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ ۝ قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ۝ (الصّٰفّٰت : ۵۱ - ۵۵)

کہ بھلا تم بھی (ایسی باتیں) باور کرنے والوں میں سے ہو، بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم پر گرفت ہوسکے گی؟ اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کیا تم اس سے باخبر ہونا چاہتے ہو؟ پھر جب جھانکے گا تو اس (بُرے ساتھی) کو دوزخ کے وسط میں دیکھے گا۔"

ان آیات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ نیک بخت انسان بھی اسی مانوس شکل کو ڈھونڈ رہا ہوگا۔ جو اس نے دنیا میں دیکھی تھی۔ گویا قیامت کے دن وہی بدن اور وہی شکلیں ارواح کو دی جائیں گی جو اس دنیا میں تھیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوگ اس دن ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ارواح کو وہی اجسام اور وہی شکلیں عطا کی جائیں جو دنیا میں تھیں۔

اب دیکھئے نصوصِ قرآنیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت کے دن تک مومنوں کی ارواح علّیین میں اور کافروں کی ارواح سجّین میں مقید ہوتی ہیں۔ ان کو کوئی جسم عطا نہیں کیا جاتا۔ اور قیامت کے دن جو جسم عطا کیا جائے گا وہ وہی ہوگا جو اس دنیا میں تھا۔ تو بتلایئے کہ اب تناسخ کی گنجائش کہاں سے نکل سکتی ہے؟ جس کی رُو سے مرنے کے بعد رُوح کو کبھی کسی گدھے کا جسم عطا کیا جاتا ہے کبھی مکھی مچھّر یا پسّو کا اور کبھی کتّے اور سؤر وغیرہ کا۔

یہاں ضمناً ایک دو باتیں اور بھی سامنے آگئیں۔ جن میں سے ایک تو شہدا کی زندگی کے متعلق ہے۔ جن کے متعلق قرآن میں ہے کہ انھیں مُردہ مت کہو، وہ مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ شہدا کی رُوحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنّت کے باغوں میں چہچہاتی پھرتی ہیں۔ اور دوسری بات سماعِ موتیٰ سے تعلق رکھتی ہے۔

رُوح کا سفر:

۴۔ روح کا سفر اس طرح ہے کہ انسان جب بطنِ مادر میں لوتھڑا کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس میں روح داخل کی جاتی ہے۔ پھر وہ بطنِ مادر سے باہر آتا ہے۔ اب یہ بچّہ کہلاتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے۔ پھر بوڑھا ہوتا ہے۔ پھر اس پر موت آتی ہے یعنی قبر کی زندگی یا برزخی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر

اس کے بعد قیامت کے دن ارواح کو اجسام مہیا کیے جائیں گے اور یہ بھی پوری زندگی ہوگی۔

شہداء کی زندگی:

اب دیکھئے زندگی کے اس سفر کی منازل میں شارٹ کٹ تو ہوسکتا ہے لیکن واپسی ناممکن ہے یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ جوان ہونے یا بوڑھا ہونے سے پہلے ہی مرجائے یا شکم مادر میں ہی مرجائے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی بوڑھا بچہ بن جائے یا بچہ شکم مادر میں واپس چلا جائے۔

شہداء کی فضیلت یہ ہے کہ ان کی قبر کی زندگی یا برزخی جسے عام اصطلاح میں بھی موت کہا جاتا ہے اور قرآن نے بھی اسے موت ہی سے تعبیر کیا ہے۔ حذف کردی گئی ہے۔ اور شہید مرنے کے بعد فوراً جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ ایک استثنائی صورت ہے۔ تو جس طرح یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ اسی طرح ان کے اجسام (سبز پرندوں کی شکل) بھی ایک استثنائی صورت ہے۔ ورنہ قیامت کے دن انھیں پھر وہ جسم عطا کئے جائیں گے جو اس دنیا میں تھے اور لوگ انھیں پہچانیں گے۔

سماعِ موتٰی:

اور سماعِ موتٰی اس لیے ناممکن ہے کہ جو روحیں جسم چھوڑ کر علیین یا سجین میں مقید ہیں۔ وہ واپس دنیا میں نہیں آسکتیں۔ اور نہ ہی شہداء کی وہ روحیں دنیا میں واپس آسکتی ہیں جو براہ راست جنت میں پہنچ چکی ہیں۔ احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ جنت میں شہداء سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "تمھاری کوئی آرزو ہو تو بتلاؤ تاکہ وہ پوری کردی جائے" تو شہداء جواب دیں گے کہ "ہمیں تو یہاں سب نعمتیں میسر ہیں، اور ہمیں کیا درکار ہوسکتا ہے" اللہ تعالیٰ کے باربار اصرار پر شہداء یہ جواب دیں گے۔ کہ "پھر ہماری آرزو یہ ہے کہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم پھر شہید ہوکر مزید بلند درجات حاصل کرسکیں" تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "یہ بات میرے قانون کے خلاف ہے۔ تم دنیا میں واپس نہیں جاسکتے۔ کوئی اور بات ہو تو بتلائیے" پھر شہداء جواب دیں گے کہ "پھر کم از کم دنیا والوں کو اور ہمارے عزیز واقارب کو اس بات سے مطلع کردیا جائے کہ ہم یہاں کس قدر خوش ہیں۔ اور ہر طرح کے انعامات سے متمتع ہورہے ہیں" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ "ہاں میں یہ اطلاع کیے دیتا ہوں" چنانچہ اسی سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ	"جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انھیں مرے ہوئے نہ سمجھنا بلکہ وہ تو زندہ ہیں

يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(آل عمران : ۱۶۹-۱۷۰)

اور انھیں اپنے رب کے ہاں سے رزق مل رہا ہے۔ جو کچھ خدا نے اُن کو اپنے فضل سے دے رکھی ہے اُس میں وہ خوش ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو (اس دنیا میں) اُن کے پیچھے ہیں اور مر کر ان میں شامل نہیں ہوئے ہیں، خوشخبری دیتے ہیں کہ اُن پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمناک ہیں۔“

غور فرمائیے کہ جنت میں شہداء کی آزاد رُوحیں بھی نہ اپنے عزیز و اقارب کو دنیا میں آکر کوئی پیغام سنا سکتی ہیں اور نہ ہی ان کی قبر پہ پکارنے والوں کو کچھ کہہ سکتی ہیں۔ تو وہ رُوحیں جو سجّین اور علیّین میں مقید ہیں، وہ کیسے دنیا میں واپس آکر دنیا والوں کی بات سنتی یا اُن سے ہم کلام ہو سکتی ہیں؟

۵۔ تناسخ کی طرح روحِ کلی کا نظریہ بھی ہندوانہ فلسفہ سے مستعار لیا گیا ہے۔ جو رہبانیت کے راستہ سے اسلام میں داخل ہوا۔ اور جس کا وحی الٰہی سے کوئی تعلق نہیں۔

ہندو فلسفہ روح کی مختلف کیفیتوں کو آتما، مہا آتما اور پرماتما سے تعبیر کرتا ہے۔ آتما وہ رُوح ہے جو عام انسانوں کے جسم میں داخل ہے۔ جب یہ روح مختلف جُونوں سے سفر کرتی ہوئی پاک و پوتر ہو جاتی ہے۔ تو کسی بزرگ و برتر انسان کے جسم میں داخل ہوتی ہے اور مہا آتما کہلاتی ہے۔ مہا آتما گاندھی یا مہا تما بُدھ اُن کے ہاں ایسی ہی ہستیاں ہیں۔ پھر جب یہ روحیں مزید پاکیزگی حاصل کرتی ہیں تو پرماتما (خدا یا پرمیشور) کی رُوح کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ اب دیکھئے مسلمان صوفی بھی واصل بحق، واصل باللہ اور فنا فی اللہ جیسی اصطلاحات وضع کر کے اسی ہندوانہ عقیدہ کی آبیاری کر رہے ہیں۔ وحی الٰہی اس سلسلہ میں رُوح کی منازل یُوں بیان فرماتی ہے:

”كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

(البقرۃ : ۲۸)

تم اللہ سے کیسے کفر کرتے ہو، تم مُردہ تھے تو اس نے تمھیں زندہ کیا، پھر وہی تمھیں مارتا ہے۔ پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“

عام اصطلاح اور اسی طرح شرعی اصطلاح میں بھی رُوح اور بدن کے اتصال کا نام زندگی اور اُن کے انفصال کا نام موت ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو رُوح پیدا ہو چکی ہے اُس پر موت نہیں

آئے گی۔ اب آیت بالا میں پہلی کیفیت یہ ہے کہ رُوح تو پیدا ہو چکی ہے لیکن اُسے ابھی جسم نہیں ملا۔ دوسری کیفیت شکم مادر میں جنین میں رُوح داخل ہونے سے لے کر موت تک ہے۔ تیسری کیفیت موت سے لے کر قیامت کے دن تک ہے۔ چوتھی کیفیت قیامت سے متعلق ہے۔ جب ارواح کو اجسام مہیا کیے جائیں گے۔ اور پانچویں خدا کے حضور حاضری دینے سے متعلق ہے۔

اب دیکھئے یہاں نہ تو رُوحِ کلی کا کہیں ذکر ہے۔ نہ اُس میں مدغم ہونے کا، نہ تحلیل کا یعنی نہ تو کوئی رُوح خدا کی ذات یا فلسفہ کی زبان میں روحِ کل میں شامل ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی خدا کسی انسان کے جسم میں حصول کر سکتا ہے۔ آخری منزل "اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ" کے الفاظ اِن سب نظریات کو مردود قرار دیتے ہیں۔ اگر رُوحِ کلی میں اتصال کا نظریہ صحیح ہوتا تو "اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ" کے بجائے "فِیْہِ یُلْحَقُوْنَ" یا اِس قسم کے الفاظ ہونے چاہئیں تھے۔

اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث بھی قابلِ غور ہیں:

(۱) عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُہٗ رَبُّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ تَرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ یَحْجُبُہٗ۔ (بخاری۔ کتاب التوحید)

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ ضرور بات کریں گے وہ بھی اس طرح کہ درمیان میں نہ کوئی مترجم ہوگا اور نہ کوئی حجاب جو آڑے بن سکے

(۲) عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ نَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ قَالَ "اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ"۔ (بخاری۔ کتاب التوحید)

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا تو فرمایا "تم ضرور (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور تمھیں کوئی اڑچن محسوس نہ ہوگی"۔

پھر اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی:
"وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ"۔

"اس دن بہت سے چہرے پر رونق ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے"۔

اب دیکھئے اگر رُوح کے رُوحِ کلی میں اتصال کا نظریہ صحیح ہو تو یہ دیدارِ الٰہی، یہ خدا سے ہم کلامی اور یہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے حساب کتاب لینا، آخر یہ باتیں کس کھاتے میں جائیں گی؟ اِن سب باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رُوح کلی میں اتصال کا نظریہ گیان دھیان کا نظریہ تو ہو سکتا ہے۔ وحی الٰہی کلی طور پر اس سے ابا کرتی ہے۔

۶۔ جس حدیث کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث موجود ضرور ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس انسان کی رُوح دنیا اور اس کے متعلقات کی محبت میں جس قدر زیادہ پھنسی ہوئی ہوگی، حالتِ نزع میں اُس کی جان یا رُوح اتنی ہی مشکل سے نکلے گی۔ اور جس شخص کی روح دنیا اور اس کے متعلقات میں رہ کر بھی اُس سے بے نیاز رہی ہے وہ رُوح آسانی سے نکلے گی۔ اس بات کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک پہلو سے متعلق ہے۔ اس میں کئی مستثنیات موجود ہیں۔ خود حضور اکرمؐ نے حالتِ نزع میں کافی تکلیف اٹھائی۔ حالانکہ آپؐ زہد کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ حالتِ نزع میں آپؐ نے جو تکلیف دیکھی اُسے دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس نظریہ کو مشکوک قرار دیا تھا۔ اس تکلیف کی وجہ خواہ زہر کے اثرات کا مرض الموت میں دوبارہ عود کر آنا ہو یا کوئی دُوسری وجہ ہو۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ آپؐ نے مرض الموت میں کافی تکلیف اٹھائی تھی۔

۷۔ بدارواح سے مراد وہ روحیں ہیں جو وحی الٰہی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتیں۔ خواہ یہ روحیں انسانوں سے تعلق رکھتی ہوں جو سجّین میں مقید ہیں یا ابھی اسی دُنیا میں ہیں۔ یا شیطانی روحیں یا جنوں کی رُوحیں جو اسی دنیا میں موجود ہیں۔ انسانوں کو گمراہ بھی کرتی ہیں اور تکلیف بھی پہنچاتی ہیں۔ قرآن میں ہے:

"وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا" (الجنّ : ۶)	"اور یہ کہ بعض بنی آدم بعض جنّات کی پناہ پکڑا کرتے تھے۔ اس سے اُن کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی"

اور حضرت رسولِ اکرمؐ نے مسلمانوں کو بیت الخلاء میں جانے سے پیشتر یہ دُعا سکھلائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ"	"اے اللہ میں بدرُوحوں سے خواہ وہ نر ہوں یا مادہ، تیری پناہ میں آتا ہوں"

بدروحوں سے بچنے کا یہی طریقہ مسنون ہے۔ ہمارے ہاں جو لوگ مختلف قسم کے چلّے اور ریاضتیں کرکے، شش قفل اور ہفت ہیکل وغیرہ وضع کرکے ایسی رُوحوں سے اپنی مرضی کے کام لیتے۔ لوگوں کو مغ۔

(باقی صفحہ ...)